Dr. S. K. Jabeen

Dept of Urdu

Rohtas Mahila College, Sasaram

Topic: Rooh-e-Anees by Meer Anees

[*Urdu Hon's B. A., Part-II*]

Scanned with CamScanner

روحِ انیس

مرثیہ

ڈاکٹر محمد احسن فاروقیؔ نے اردو کی دنیائے شاعری میں جن پانچ شاعروں کا نام لیا ہے، ان میں میر انیسؔ کو سبھوں پر برتری حاصل ہے۔ آگے چل کر ڈاکٹر احسن فاروقی کہتے ہیں کہ "فنی حیثیت سے کلام انیسؔ کا مطالعہ کیا جائے تو ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ زبردست ماہر زبان تھے۔ بیانیہ شاعری میں ان کا جواب نہیں۔ مگر ان کی شاعری ایک خاص قوم کے مذہبی اعتقادات سے متعلق ہے۔

دراصل اس وقت میر انیسؔ کے متعلق دو نظریئے مروج ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ میر انیسؔ کی شاعری دوسرے درجہ کی شاعری ہے اور وہ صرف اس وجہ سے مشہور ہو گئے ہیں کہ انہوں نے ایک خاص صنف یعنی مرثیہ میں طبع آزمائی کی، جہاں مقابلہ بہت کم تھا۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ میر انیسؔ خود کو مرثیہ تک محدود نہ کر لیتے تو ان کی شاعری دنیا کی بہترین شاعری میں شامل ہوتی۔ مرثیہ نگاری نے ان کی شاعری کو فائدہ اور نقصان دونوں پہنچایا۔ فائدہ یوں کہ وہ بہت جلد شاعروں میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور نقصان یوں کہ اس کی وجہ سے ان کی شہرت ایک مخصوص دائرے میں محدود ہو کر رہ گئی۔

میر انیسؔ کی شاعری کا بہترین حصہ ان کی بیانیہ شاعری ہے۔ بیان خواہ کسی واقعہ کا ہو یا منظر یا میدان جنگ کا میر انیسؔ ان میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ کسی شئے کی ہو بہو مرقع کشی میں میر انیسؔ کا کوئی جواب نہیں۔ مگر اس کے برعکس ایسے مقامات پر جہاں تخیل اور نازک خیال کی ضرورت ہے، میر انیسؔ بُری طرح ناکام نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میر انیسؔ کی تشبیہات حقیقی تاثر پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔

میر انیسؔ کی بیانیہ شاعری کا سارا حُسن اور کمال جزئیات کی تفصیل میں پوشیدہ ہے۔ بیانیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ شاعر واقعے کی تمام جزئیات کو تفصیل سے بیان کرے اور میر انیسؔ کی شاعری میں مرقع کشی کا یہ کمال بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ میر انیسؔ کا مشاہدہ انتہائی گہرا ہے اور وہ کسی واقعے یا منظر کو بیان کرتے وقت اس کے معمولی سے معمولی جز کو بھی فراموش نہیں کرتے۔ چنانچہ گھوڑے کی تیز روی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ع "دونوں کنوتیاں بھی کھڑے ہو کے مل گئیں"۔ گھوڑے کا قاعدہ ہے کہ

Scanned with CamScanner

جب بہت تیز دوڑنے لگتا ہے تو دونوں کان بالکل کھڑے کر لیتا ہے۔

ایک دوسری جگہ پر گھوڑے پر سوار ہونے کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ع وہ ہاتھ ہٹ کے رکھا آپ نے ایال پر۔

شہسواری کا قاعدہ ہے کہ بیٹھتے وقت گھوڑے سے تھوڑا دور ہٹ کر بیٹھنا ہوتا ہے۔اور بیٹھنے سے پہلے ہمیشہ گھوڑے کے ایال پر ہاتھ رکھ کر چمکارتے ہیں۔

قدرتی مناظر کی مرقع کشی میں بھی میر انیسؔ نے اسی چابکدستی کا ثبوت دیا ہے۔میر انیسؔ سے قبل اس صنف پر اردو میں بہت کم توجہ کی گئی تھی۔اس ضمن میں میر ضمیرؔ کی کوشش قابل قدر ضرور تھیں لیکن وہ نقش اوّل تھا۔اس خاص شعبے کو دراصل میر انیسؔ نے کمال تک پہنچایا۔گرمی کے بیان میں لکھتے ہیں ؎

وہ لُو وہ آفتاب کی حدت وتاب وتب   کالا تھا رنگ دھوپ سے دل کا مثال شب
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی   ماہی جو موج سینچ تک آئی کباب تھی

دشت کربلا کے بیان میں یوں لکھتے ہیں ؎

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسماں   تھا دور دور تک شب مہتاب کا سماں
جھکے ہوئے ستاروں پہ ذروں کا تھا گماں   نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں

میر انیسؔ کی اس بیانیہ شاعری کا سارا راز ان کی زبان و بیان میں مضمر ہے۔اردو زبان لکھنؤ میں آکر خوبصورت ہوئی اور اس کو خوبصورت بنانے میں اچھا خاصا حصّہ میر انیسؔ کا ہے۔خود میر انیسؔ کے بیان کے مطابق وہ لکھنؤ کے شرفاء کی زبان لکھتے ہیں۔میر انیسؔ کا دور لکھنؤ میں جنسی عیاشی کے عروج کا دور تھا اور طوائفوں کے ساتھ شرفاء کے عام میل جول کی وجہ سے زبان میں بیگماتی عناصر اچھی خاصی حد تک داخل ہو گئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ میر انیسؔ کے زبان میں بھی یہ بیگماتی عناصر پورے طور پر موجود ہیں۔

ع ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انہیں
ع سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسین آئے

لیکن ان بیگماتی عناصر کو چھوڑ کر میر انیسؔ کی زبان انتہائی فصیح، شیریں، سادہ اور پُر اثر ہے۔ فصاحت میر انیسؔ کا سب سے بڑا جوہر سمجھا جاتا ہے۔میر انیسؔ نے اردو شعراء میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔اور طرح طرح کے موضوعات پر قلم بندی کی ہے۔لیکن ان کے مرثیوں میں بہت کم غیر فصیح الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔میر انیسؔ کی زبان لکھنؤ کی اس وقت کی مروجہ اور شستہ زبان

ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں کثرت سے روزمرّہ محاوروں کا استعمال کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ میر انیس نے متبذل الفاظ سے پوری طرح پرہیز کیا ہے۔ میر انیسؔ کا ذخیرہ الفاظ انتہائی وسیع ہے اور وہ ہر موقع کے لئے مناسب ترین الفاظ کے انتخاب پر قادر ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ میر انیسؔ کی شاعری میں ایک بہت بڑی خامی ہے اور وہ خامی کردار نگاری اور رزم نگاری کے وقت واضح ہوتی ہے۔

ایسی نظموں میں جن میں کوئی مسلسل قصہ یا واقعہ بیان ہوا ہے وہاں کردار نگاری کی کافی گنجائش ہے۔ خصوصاً مرثیہ میں تو کردار نگاری کی کافی گنجائش ہے لیکن میر انیسؔ کردار نگار میں بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ ان کے تمام کردار ایک طرح کے نظر آتے ہیں۔ حسینؑ اور عباسؑ میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر ان کے ناموں کو مخفی رکھا جائے تو ایک سادے اوصاف دوسرے پر چسپاں ہوتے ہیں اور دونوں میں تشخیص نہیں کر سکتا ہے۔

رزم گاہ کے باب میں بھی میر انیسؔ ناکام ہوئے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے صحیح طور پر نشاندہی کی ہے۔ ''میر انیسؔ کے یہاں جب دو حریف لڑتے نظر آتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ امام یا امام کی طرف والے حضرات میں ہر طرح کا زور ہے اور دوسری طرف والوں میں کوئی زور ہی نہیں ہے''۔ اچھی شاعری اس طرح کی طرفداری کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی طرفداری برتے بغیر بھی اہلبیت کی برتری دکھائی جا سکتی تھی۔ میر انیسؔ کی رزم نگاری کی خامیوں میں ہنگامی کیفیت کا فقدان بھی ہے۔ ان کے کردار اس اطمینان سے بات چیت کرتے نظر آتے ہیں جیسے وہ میدان جنگ میں نہیں پائیں باغ میں ہوں۔

لیکن ان خامیوں کا براہ راست تعلق میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری کی ابتداء کے پس منظر میں ہے۔ میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری کی ابتدا اس طرح بتائی جاتی ہے کہ میر انیسؔ کی ایک غزل کی شہرت ان کے والد کے کانوں تک پہنچی جس پر ان کے والد نے ان سے کہا کہ ان سبھوں میں کیوں وقت برباد کرتے ہو کچھ ایسا کرو کہ عقبیٰ میں کام آئے چنانچہ میر انیسؔ نے مرثیہ لکھنا شروع کیا۔ اس طرح میر انیسؔ کی مرثیہ نگاری مذہبی عقیدے کے زیر اثر وجود میں آئی۔ جس کا مقصد ثواب اخروی حاصل کرنا تھا۔ میر انیسؔ نے اپنا سب سے اہم فرض حضرت امام حسینؑ کی مدح سرائی بتایا ہے شاید ان کا یہی احساس فرض رزم نگاری کے توازن کو برباد کرنے کا سبب بنا ہے۔

Scanned with CamScanner

میر انیس کا زمانہ لکھنوی تہذیب کے عروج اور سیاسی و سماجی امن اور خوشحالی کا زمانہ تھا۔ اس لئے ان کے کام میں سکون و اطمینان کا اثر غالب معلوم ہوتا ہے۔ ان کے یہاں لوگوں کی بات چیت اسی اطمینان کے ساتھ ہوتی ہے جیسے وہ کسی ہنگامی کیفیت کا احساس ہی نہیں رکھتے۔

Scanned with CamScanner